سوال

(395)بیمہ کمپنی سے زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے؟

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

بیمہ کمپنی سے زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے یا ناجائز؟ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک معیاد مقررہ تک ماہواری ایک رقم مقررہ کمپنی کو ادا کرنی پڑتی ہے۔ اگر میعاد مقررہ کے اندر بیمہ کرانے والا فوت ہوجائے گا۔ تو رقم مقررہ پوری جس رقم کا بیمہ کرایا ہے۔ وارثان کو مل جائے گی۔ اور اگر میعاد مقررہ تک زندہ رہا تو بعد گزرنے میعاد کے جمع شدہ رقم جو اس عرصہ میں ادا کی ہے۔ مع نفع کے مل جائے گی۔ کیا شرع شریف میں ایسا بیمہ کرانا جائز ہے۔ (محمد امین کلکتہ)

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ، والصلاة والسلام علىٰ رسول اللہ، أما بعد!

سوال میں مع نفع کا لفظ تشریح طلب ہے۔ جہاں تک ہمیں ان کمپنیوں کے قواعد کا علم ہے۔ نفع کا ذکر نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک مقررہ رقم ہوتی ہے۔ مثلاً ہزار یا لاکھ روپے کا بیمہ ہوتا ہے۔ بیمہ کی رقم ماہوار یا ہر سہ ماہ بعد ادا کیجاتی ہے۔ اس ادائیگی کی میعاد مقرر ہوتی ہے۔ دیتا دیتا مرجائے۔ تو مقررہ رقم اس کے وارثوں کو مل جاتی ہے۔ میعاد تک زندہ رہے تو خود لے سکتا ہے۔ اس کی بنا دراصل ہمدردی پر ہوتی ہے۔ یعنی اگر بیمہ کرانے والا مرجائے۔ تو اس کے وارثوں کو ایک معقول رقم مل سکتی ہے میں اس لئے اس کو جائز جانتا ہوں۔ انما الاعمال بالنیات (اہلحدیث 13جمادی الثانی 46ہجری)

فی الواقع اگر بیمہ کمپنیوں کے قواعد وضوابط میں خط کشیدہ دفعہ ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں مفتی مجیب کے نزدیک بھی یہ چیز جائز نہیں۔ جیسا کہ آپ کے مرقومہ جواب سے مترشح ہوتا ہے۔ (مولف)

شرفیہ

بیمہ زندگی یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً ایک شخص بیمہ کمپنی سے پانچ یا دس ہزار روپیہ کا بیمہ کرتا ہے۔ کہ میں پانچ یا دس سال یا کم وبیش مدت میں یہ رقم مذکور قسطوں سے ادا کرتا رہوں گا۔ مثلاً بیس پچیس روپیہ ماہوار یہ سہ ماہی وغیرہ پھر بعد میعاد مذکور وادائے رقم مذکورہ مجھ کو وہ میرا روپیہ یا رقم مذکور سب کی سب معہ سود مثلاً بجائے پانچ ہزار کے معہ سود چھ یا سات ہزار دے گی۔ اور اگر میں مدت معین مذکورہ میں قبل ادا کرنے رقم مذکور کے مرگیا۔ تو میرے وارث کمپنی سے پورے پانچ ہزار روپے وصول کرلیں گے۔ اور کمپنی کو دینی واجب ہوگی۔ اگرچہ میں نے بجائے پانچ ہزار کے ایک ہی قسط بیس یا پچیس روپے ادا کی ہو۔ اور کمپنی اس رقم سے جو بیمہ والوں سے لیتی ہے۔ تجارت کرتی ہے۔ پھر تجارت سے جتنا نفع ہوتا ہے۔

حساب کرکے بیمہ والوں کو اس کا سود دیتی ہے۔ اور کمپنی کا کاروبار سود کا ہوتا ہے۔ اب واضح ہو کہ اس بیمہ کی حرمت کے دلائل یہ ہیں۔

اول یہ کہ سود کا معاملہ ہے۔ لہذا قطعاً حرام ہے۔ اس لئے کہ اس میں خطرہ ہے کیا معلوم کہ بیمہ والا مدت مذکورہ میں زندہ رہے گا یا نہ رقم ادا کرے گا یا نہ اگر مر گیا تو جوا ہوا اگر زندہ رہا اور رقم ادا کی تو سود کھائے گا۔ اللہ نے فرمایا۔

وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۲۷۵ سورة البقرة يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا۔ ۲۱۹ سورة البقرة

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ ۹۰

وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الخمر والمیسر والکوبۃ والغمیراء وقال کل مسکر حرام (مشکواۃ ج2 ص318)

دوم یہ کہ تعاون علی الاثم ہے۔ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۲ سورة المائدة

لعل فیہ کفایۃ لمن لہ درایۃ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

تشریح

از قلم حضرت العلام مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث مبارکفوری

سوال۔ انشورنس کرانا ہے؟۔ جب کہ اختتام میعاد پر مقرر رقم سے کچھ زائد ملتا ہے، وہ عام سود کے طور پر مقرر نہیں جوڑا جاتا بلکہ بیمہ کی رقم تجارت میں لگا کر سالانہ نفع اور نقصان کا لحاظ کرکے فی صدی پر رکھا جاتا ہے کسی سال کچھ رقم منافع میں آتی ہے دوسرے سال کچھ اور علمائے اسلام اس بارے میں مختلف آرائے ہیں۔ حضرت مولانا امرتسری نے نجی استفتار پر جواز کا فتوی دیا تھا لیکن کوئی دلیل نہیں فرمائی تھی یہاں اسکول کے اکثر اسٹاف انشورنس شدہ ہیں۔ میں تزبذب میں ہوں۔؟

(محمود الحسن رحمانی۔ سارن)

جواب۔ میرے نزدیک ان لوگوں کا قول صحیح ہے جو زندگی کا بمیہ کرانے کو ناجائز کہتے ہیں اور لوگ غلطی پر ہیں جنھوں نے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے۔

انسان یا جانور کی زندگی یا جائیداد کے بمیہ کرنے کی حقیقت پر غور کیا جائے۔ تو سوال کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا انشورنس کرانے کو جائز بتانا سود کو یا قمار کو حلال کرنا ہے بیمہ کمپنیوں کا اصول ہے کہ زندگی کا بمیہ کرانے والا یا بیمہ کرایا ہوا جانور بیمہ کی معینہ مدت سے قبل مرجائے یا بیمہ کرائی ہوئی جائیداد کسی ناگہانی آفت سے مقررہ مدت کے اندر ضائع ہوجائے تو بیمہ کی پوری مقررہ رقم اس کے ورثاء کو یا جائیداد اور جانور کے مالک کو مل جاتی ہے اور اگر بیمہ کرانے والا یا جانور اور جائیداد مقررہ مدت تک زندہ اور محفوظ رہے تو کل جمع کردہ رقم مع سود کے بیمہ کرانے والے کو جانور اور جائیداد کے مالک کو ملتی ہے اور کچھ رقم جمع کرنے کے بعد بیمہ کرانے والا مسلسل دو سال تک مقررہ قسطیں ادا کرنے سے قصداً انکار کردے یا مجبوراً ادا نہ کرسکے تو یہ بیمہ کمپنی ادا شدہ قسطوں کو ضبط کرلیتی ہے۔

سوال۔ یہ ہے کہ مقررہ مدت کے اندر مرجانے یا بیمہ کردہ چیز کے تلف ہوجانے کی صورت میں اور اسی طرح مقررہ مدت تک زندہ اور محفوظ رہنے کی صورت میں بمیہ کمپنیاں بیمہ کرانے والوں کو یا ان کے ورثہ کو ان کی جمع کردہ رقم سے فائدہ جو کچھ دیتی ہیں اسکی حیثیت اور نوعیت کیا ہے اور وہ کہاں سے آتا ہے؟

ظاہر ہے کہ صدقہ وخیرات یا تحفہ وہدیہ تو ہے نہیں اور نہ ہی قرض ہے پھر دو ہی صورتیں ہوسکتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بیمہ کمپنی جمع شدہ روپیہ دوسروں کو سود پر دیتی ہو اور اس میں سے

ایک معین حصہ بیمہ کرانے والوں کو بانٹ دیتی ہو۔ جیسا کہ عام بینکوں کا طریقہ ہے یا یہ کہ بیمہ کمپنی خود ہی اس روپے سے تجارت کرے۔ اور اس کے منافع سے معین اور طے شدہ منافع ادا کرے۔ اور اسی کا نام سود ہے۔

اور یہ خیال و توجیہ کہ بیمہ کرانے والے اس تجارت میں شریک یا رب المال اور مضارب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور بیمہ کمپنی عامل و مضارب (بفتح الراء) کی حیثیت رکھتی ہے۔ پس زائد رقم اس حیثیت سے بیمہ کرانے والوں کےلئے حلال و طیب ہوگی۔ غلط اور باطل ہے۔ اس لئے اگر یہ صورت حال ہو تو ان شرکاء یا ارباب اموال کو ایک طے شدہ معینہ رقم نہیں ملنی چاہیے۔ بلکہ کمی اور بیشی کے ساتھ نفع اور نقصان دونوں میں شریک رہنا چاہیے۔ اور یہاں ایک طے شدہ معین ہی نفع ملتا ہے۔ اور سوال میں زکر کردہ صورت یا توجیہ بھی صحیح نہیں۔ اس لئے کہ بیمہ کمپنیاں عام طور پر اصل رقم سے جو کچھ زائد دیتی ہیں۔ اسکی شرح اور مقدار پہلے ہی سے معین کر دیتی ہے۔ اور اگر کوئی کمپنی اس ک واصولا معین نہ کرتی ہو۔ بلکہ زائد رقم کو سالانہ نفع اور نقصان کا لحاظ کرکے فی صدپر رکھتی ہو۔ تب بھی یہ طریقہ وجہ جواز نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ اس کاروبار میں نقصان کا سوال ہی نہیں آنے دیا جاتا۔ و نیز بیمہ کمپنیوں کے متفقہ اصولوں میں سے بعض ایسے اصول بھی ہیں۔ جن کی وجہ سے یہ سارا کاروبار اور ڈھانچہ ہی شرعاً ناجائز ہے۔ کما سیاتی۔

دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے۔ کے پہلے بیمہ کرانے والوں کو بعد کے بیمہ کرانے والوں کا روپیہ دیا جاتا ہو۔ لیکن اس طرح ایک کی رقم دوسرے کو دے دینے کا حق تو شرعاً کسی بھی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں جواز کا فتویٰ دینا۔ سود یا قمار کا فتویٰ نہیں تو اور کیا ہے۔

اور کچھ رقم جمع کرنے کے بعد بقیہ اقساط کے قصداً یا مجبوراً ادا نہ کرنے کی صورت میں ادا شدہ قسطوں کا ضبط کرلینا کسی شرعی ضابطہ کی رو سے؟ یہ اکل مال بالباطل نہیں۔ تو اور کیا ہے۔ و نیز بیمہ کرانے والوں کےلئے ایسے کاروبار کرنے والوں کو روپیہ دینا جو بغیر کسی شرعی سبب کے انکی رقم ایک غلط اصول کی رو سے ضبط کرلیں۔ کہاںسے شرعاً جائز ہے۔؟

بہر حال انشورنس کا کاروبار شرعاً ناجائز ہے۔ یہ یورپ کے نظام سرمایہ داری کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ اور اس کی تصور بھی اسلامیت سے سخت بعید ہے۔ پس زندگی وغیرہ کا بیمہ کرانا کیونکہ ناجائز نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (رسالہ۔ مصباح صفحہ 9 شوال المکرام 72 ہجری)

تعاقب

اہلحدیث 22 مارچ سنہ رواں میں بیمہ زندگی کے متعلق آپ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ سائل کا سوال نہایت واضح ہے۔ کمپنیاں کبھی زائد لیتی ہیں اور کم دیتی ہیں۔ اور کبھی کم لیتی اور زائد دیتی ہیں۔ 1۔ اگر لکیر زدہ عبارت پر غور فرمایا جاتا تو اس کے جواز کا فتویٰ نہ دیا جاتا۔ اس لئے سائل کے یہ الفاظ حرمت کو ثابت کر رہے ہیں۔ اس طرح کہ زائد لیں اور کم دیں۔ یا کم لیں اور زائد دیں یہ کمی بیشی کیوں؟ اور کس لئے؟ بس یہی کمی بیشی سود یا قمار کی ایک قسم ہے۔ اور اکثر بیمہ کمپنیاں دھوکا اور فریب پر مبنی ہوتی ہیں۔ پھر اس کی جملہ رقم سود پر چلائی جاتی ہے۔ اور اس کمپنی کا کام سود در سود حاصل کرنا اور دینا ہوتا ہے۔ کمپنی کم لے کر جب زائد دیتی ہے۔ تو یہ عین سود ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً۔ اور کمپنی نے لیا تو زائد اور دیا کم تو یہ کیوں؟ تو بیعنہ یہ قمار یعنی جوا کی قسم ہے۔ بہر کیف بیمہ زندگی کا ہر پہلو سیاہ اور شریعت کے خلاف ہے۔ قمار سٹہ لاٹری۔ اور سود کے مجموعے کا نام بیمہ کمپنی ہے۔ لہذا قطعاً حرام ہے۔ صرف نام بدلا ہوا ہے۔ اور نام بدلنے سے اصل نہیں بدلتا۔ واللہ اعلم بالصواب

(خاکسار ابو سعید عبد الرحمٰن فرید کوٹی از سکندر آباد 4 مئی 1934ء)

فتویٰ۔ از مولانا طیب عبد الصمد صاحب۔ مبارکفوری

میرے نذدیک بینکوں کا منافع کسی مسلم شخص کےلئے دو شرطوں کے ساتھ جائز اور حلال ہوسکتا ہے۔ مگر ان شرطوں کا وجود قطعاً محال ونا ممکن ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ روپیہ ایسی تجارت و کاروبار میں لگایا جائے۔ جو کہ شرعاً جائز اور درست ہو۔ ممنوع و ناجائز کام کے زریعہ وہ منافع حاصل نہ ہوا ہو۔ مثلاً سود کے زریعہ یا شراب اور دیگر حرام شے کی تجارت کے زریعے حاصل نہ ہوا ہو۔ دوسری یہ شرط ہے کہ کمپنی اپنا تمام خرچ نکال کر جس قدر بچے حساب داروں کو حصہ رسدی کے مطابق پورا پورا دے دے۔ نہ کہ اکثر حصہ خود ہی رکھ لے۔

اور حساب داروں اور شرکاء کو برائے نام تھوڑی سی رقم دے کرٹال دے۔ الغرض جب تک ان دونوں شرطوں کا پایا جانا محقق اور ثابت نہ ہو۔ اور اس نفع کا کسب حلال وطیب ہونا یقینی طور پر نہ معلوم ہو۔ شرعا اس کے حلال وجائز ہونے کا حکم ہر گز نہیں دیا جاسکتا۔ (اہلحدیث امر تسر 31 دسمبر 1937ء)

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

فتاویٰ ثنائیہ امرتسری

جلد 2 ص 371

محدث فتویٰ